© rasailojaraid.com

پروفیسر افتخار حسین شاہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خوش گفتاری

افسوس ہے کہ میں بخاری مرحوم کے خطبات کا اُن کے ساحرانہ خطابت کے سنہری دور میں اپنی کچھ سستی اور کچھ تجاہل اور تغافل کی وجہ سے سامع نہ بن سکا۔ میں نے ۱۹۴۶ء میں میٹرک کا امتحان جس سکول سے پاس کیا' اُس میں مشہور مسلم لیگی رہنما اور مقرر مولانا بشیر احمد اخگر میرے پسندیدہ استاد تھے۔ اُن کے زیر اثر مسلم لیگ سے محبت اور دوسری جماعتوں سے نفرت کی صورت پیدا ہوگئی۔ ایک سال پہلے بڑے بھائی ریاض حسین شاہ اسلامیہ کالج (لاہور) میں داخل ہوکر سائنسی تجربات پر سیاسی تجربات کو ترجیح دیتے ہوئے مسلم لیگ کا علم بلند کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔ اُن کی پیروی میں جب بھی اسلامیہ کالج میں داخل ہوا تو کالج ہی نہیں پورے شہر لاہور میں مسلم لیگ کا غلبہ دیکھ کر مسلم لیگ کے حق میں نعرے بازی کا اعلان کرنے لگا اور پروفیسر علامہ علاء الدین صدیقی کو سب سے بڑا مقرر سمجھنے لگا۔ نوعمر مقررین میں سے سید قاسم رضوی اور شباب مفتی نمایاں ہوتے نظر آئے۔ کسی دوسری جماعت کا مقرر کشش کا باعث نہ بنا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اسلامیہ کالج پہلے سے بھی زیادہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ بعض طلباء ریفیوجی کیمپوں میں کام کرنے لگے۔ اس صورتِ حال سے بعض طلباء اپنے تعلیمی مقاصد کے حصول میں ناکام ہوگئے۔ مثلاً میرے بڑے بھائی والدین کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر نہ بن سکے...... ایام ذاتی نوعیت کے نقصانات کے علاوہ کھوٹے سکوں کی حقیقت منظر عام پر آنے کے بعد میں مسلم لیگ ہی نہیں' سیاسی سرگرمیوں سے متنفر ہوگیا اور ادب میں دلچسپی بڑھ گئی۔ لیکن سردار عبدالرب نشتر اور میاں عبدالباری جیسے مخلص معززین کے اثرات پھر بھی باقی رہے۔ اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کرنے کے نتیجہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، علامہ مشرقی، مولوی عبدالحق، مولانا صلاح الدین احمد، علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا داؤد غزنوی اور شورش کاشمیری جیسے نام ور مقررین اور خطیبوں کے نام سامنے آئے اور بعض نے متاثر کیا۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے اردو اور ایم اے فارسی کے امتحانات کی تیاری کے لیے پڑھتا رہا اور بالخصوص اودھ پنچ لکھنؤ کے مدیر منشی سجاد حسین کے متعلق اپنا ایم اے کی سطح کا تحقیقی مقالہ لکھنے کے لیے جب لاہور کے ادیبوں اور صحافیوں کے مشوروں سے استفادہ کے مواقع ملے اور مطالعہ وسیع ہوا تو آزاد کی ''غبارِ خاطر'' دل کشا ثابت ہوئی۔ شورش کی حق گوئی اور بے باکی نے ہفت روزہ ''چٹان'' کو قابل توجہ بنایا اور تحریک پاکستان سے بڑھ کر تحریکِ آزادی کے جاں نثاروں کی خدمات قابل ستائش نظر آئیں۔ اس طرح سے تقابلی اور تجزیاتی نقطۂ نظر سے جب اپنے اکابرِ ملت کی عظمت شناسی کا شعور بیدار ہوا تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اپنے دل کی بیماری کے معالج نظر آئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن اتفاق سے ۱۹۵۸ء میں مجھے گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں لیکچرر مقرر کر دیا گیا اور میں اس شہر میں پہنچ گیا، جس کی وجہ شہرت ہر حلقہ میں ''گرد و گرما، گدا و گورستان'' کے علاوہ عطاء اللہ شاہ بخاری بھی بن چکے تھے۔ ان دنوں میں ایمرسن کالج کے شعبۂ اردو کے سربراہ پروفیسر ملک بشیر الرحمٰن تھے، جو کہ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہونے سے پہلے محکمہ پولیس میں ملازم رہے تھے، جب وہ قیام پاکستان سے پہلے امرتسر میں محکمہ پولیس میں اپنے فرائض ادا کر رہے تھے تو بخاری صاحب کا جوشِ خطابت ان کے فرائض منصبی پر غالب آ گیا تھا اور وہ بخاری صاحب کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اس تعلق خاطر کی وجہ سے ملتان میں وہ بخاری صاحب کے حضور میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن میں بھی ان کی رفاقت میں دنیائے خطابت کے بے تاج بادشاہ کے دولت کدے پر حاضر ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ اس دور کے قومی سطح کے دوسرے خطیبوں، صحافیوں، ادیبوں اور دانشوروں کی طرح بخاری کا گھر بھی خواص کے معیار کے مطابق ہوگا لیکن حقائق خلافِ توقع سامنے آئے، عوامی آبادی میں عوامی رنگ کی ایک ایسی رہائش گاہ دیکھنے کو ملی، جس میں دولت کی نشاندہی دشمن بھی نہ کر سکے۔ البتہ اس گھر کو دانشکدہ تسلیم کرنے میں کسی کو اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ گفتار اور کردار کے اعتبار سے دانش کدہ میں بسنے والے علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھے، کمرہ میں داخل ہوئے تو ایک بوریا نشین درویش نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا، میرے رسمی تعارف کے بعد جلد ہی اجنبیت کا احساس ختم ہو گیا اور اپنائیت محسوس ہونے لگی۔

جب بے تکلفی کا ماحول پیدا ہو گیا تو ماضی کا قصہ چھڑ گیا اور امرتسر کی باتیں ہونے لگیں۔ جن سے ہر لحہ بخاری صاحب کی حاضر دماغی اور خوش گفتاری کا ثبوت ملتا تھا، ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: امرتسر شہر کے قریب ایک باغ میں جلسہ ہو رہا تھا اور میری تقریر جاری تھی کہ کسی شر پسند نے جلسہ کو ناکام بنانے کے لیے باغ میں موجود شہد کی مکھیوں کے چھتوں کو چھیڑ دیا۔ مکھیاں اڑتے ہوئے سامعین پر حملہ آور ہونے والی تھیں کہ میں نے آنے والے خطرہ کو فوراً بھانپ لیا اور سامعین کو یہ مشورہ دیا کہ بھاگ دوڑ سے کام نہ لیں اور جہاں جس حالت میں ہیں بت بن جائیں، حرکت کا مظاہرہ نہ کریں، مکھیاں واپس چلی جائیں گی، مشورہ کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور مکھیاں بے حس بت دیکھ کر واپس اپنے چھتوں میں پہنچ گئیں، اس طرح سے دشمن ناکام رہا اور جلسہ کامیاب رہا۔

ایک دوسری نشست میں لاہور منعقد ہونے والے جلسہ کی روداد سناتے ہوئے فرمایا کہ: جلسہ منٹو پارک میں ہونے کا اعلان کیا گیا تو جلسہ والے دن مقررہ وقت سے چند گھنٹے پہلے حکومت نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے جلسہ ممنوع قرار دے دیا۔ میں نے منتظمین کو بلا تاخیر یہ پروپیگنڈہ عام کرنے کا حکم دیا کہ جلسہ دریائے راوی کی دوسری طرف مقبرہ جہانگیر کے قریب ہوگا۔ واضح رہے کہ مقبرہ جہانگیر شاہدرہ میں اور شاہدرہ ضلع شیخوپورہ میں ہے، جس پر لاہور سے متعلق ممانعت کا حکم اثر انداز نہیں ہوتا تھا، اس سے پہلے کہ شیخوپورہ کا ڈپٹی کمشنر دفعہ ۱۴۴ نافذ کرتا۔ ہم اپنا جلسہ منعقد کرنے میں کامیاب ہو گئے، منٹو پارک سے مقبرہ جہانگیر چونکہ دور نہیں تھا، اس لیے سامعین آسانی سے چند منٹوں میں نئی جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری بار بخاری صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو ڈیرہ غازی خان میں منعقدہ ایک جلسہ کی روداد اس طرح سنائی کہ دیہاتی ماحول میں جلسہ ہو رہا تھا اور میں شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے وقت کی رفتار رُک جانے کا ذکر کر رہا تھا اور محسوس یہ ہو رہا تھا کہ مخاطبین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تو میں نے یہ مصرع پڑھا:

تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

سامعین کو بات سمجھ آ گئی تو میں نے کہا کہ اگر دنیاوی محبوب کا ایک معمولی زیور ناظرین کو وقت کی قید سے آزاد کر سکتا ہے تو محبوبِ حقیقی کے جلوہ سے وقت کی رفتار کیوں نہیں رُک سکتی۔

سامعین کی سطح پر خطاب کرنے سے خطاب دلچسپ ہی نہیں موثر بھی بن گیا۔

پروفیسر ملک بشیر الرحمٰن کا بیٹا ممتاز الرحمٰن اُنہی ایام میں مسلم ہائی سکول (ملتان) میں پڑھتا تھا۔ اسے سکول میں تقریروں کے مقابلہ میں حصہ لینا تھا، ملک صاحب اسے اور مجھے ساتھ لے کر ایک دن بخاری صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ بخاری صاحب نے ممتاز کی تقریر سن کر شاباش دی۔ اور فرمایا کہ بیٹا بے خوف ہو کر تقریر کرنا تمہارا مقابلہ بخاری سے نہیں۔ اپنے جیسے طلباء سے ہے۔ حوصلہ افزائی کے ان الفاظ سے ممتاز میں بلا شبہ اعتماد پیدا ہو گیا اور مقابلہ میں انعام حاصل کر لیا۔

ایک دن حاضر ہوا تو بخاری صاحب نے یہ شعر سنایا اور ساتھ ہی فارسی میں توضیحی اشارے بھی فرمائے:

ہر کہ شد محرم دل درحرم یار بماند
وآنکہ ایں کارندانست درآں کار بماند

....

درمصرع اوّل اشارت است عاشق کامل ودرمصرع ثانی بعالم
عامل یعنی شخصیکہ محرمِ دل خورشید، درحرم یار بماند داخل
حرم یارشدوآنکہ ایں کارندانیست ، دل خود را نشناخت
وازاسرارِ آں وقف نشد و حقیقت معلوم فکرو درآں کار
باز بماند، اشارہ است بہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

یہ شعر اور اس کی تشریح اسی طرح میری ۵۹۔۱۹۵۸ء کی ڈائری میں درج ہے۔ شاعر کا نام نہیں لکھا ہے۔

اس طرح سے جو تین چار بار بخاری صاحب کے دانش کدہ میں حاضر ہونے کے مواقع ملے ان میں بخاری صاحب اور ان کے بیٹوں کے متعلق قناعت پسند اور ریاکار نہ ہونے کا پہلو بہت نمایاں نظر آیا، اُنہی دنوں میں ملتان کے ڈپٹی کمشنر مختار مسعود تھے، وہ علم وادب میں بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے، تحریک پاکستان اور تاریخ سے بھی انہیں گہرا لگاؤ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منشی عبدالرحمٰن نے مختار مسعود اور بخاری صاحب کی ملاقات کا اہتمام کیا۔ عندالملاقات مختار مسعود نے بخاری صاحب کو بعض مراعات کی پیشکش کی جو قبول نہ کی گئی اور درویش خدامست ہونے کا بھرم رکھا۔ مختار مسعود نے اس حقیقت کا اعتراف اپنی تصنیف ''آواز دوست'' میں بھی کیا ہے۔

میں بیالیس سال سے ملتان میں مقیم ہوں، اور مختلف حلقوں میں میرا آنا جانا رہا ہے لیکن کسی حلقہ میں آج تک میں نے نہیں سنا کہ بخاری صاحب نے کسی وڈیرے سیٹھ یا با اثر افسر کی مالی منفعت کے حصول کے لیے خوشامد کی ہو یا کسی کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے حق گوئی سے کام نہ لیا ہو، اس کے ساتھ ہی ان کے کردار کا یہ پہلو بھی قابل ستائش نظر آیا کہ وہ کسی کی غیر حاضری میں اس کے خلاف کوئی بات نجی نوعیت کی محفلوں میں کہنے سے گریز کرتے تھے، ان کے اختلاف اصولی اور نظریاتی نوعیت کے ہوتے تھے، جن کا برملا اظہار سب کے سامنے جلسوں میں ہوتا تھا۔

بخاری صاحب کی باتیں چونکہ بے باکانہ اور بے ساختہ انداز میں دل سے نکلتی تھیں، اس لیے دلنشیں ثابت ہوتی تھیں۔ گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج کے سابق پروفیسر مرزا غلام حیدر کو قیام پاکستان سے پہلے امرتسر میں بخاری صاحب کے خطبات سے فیض یاب ہونے کے مواقع ملتے رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ غیر مسلم بھی اکثر بخاری صاحب کی تقریر سننے کے لیے جلسہ گاہ میں پہنچ جایا کرتے تھے اور ان کی خوش گفتاری اور حق گوئی سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ بعض پولیس ملازمین جن کی انگریز دشمنی کے سلسلہ میں بخاری صاحب کی تقریر کے متعلق رپورٹنگ کی ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔ وہ اپنی ملازمت خطرہ میں ڈال لیتے تھے لیکن بخاری صاحب کے خلاف رپورٹ نہیں لکھتے تھے۔ وہ ان کے خطبات سن کر ایک طرح سے ان کے مرید بن جاتے تھے۔ ایک مرید پروفیسر ملک بشیر الرحمٰن کا تذکرہ پہلے ہو چکا، جن کی وساطت سے میں ان کے حضور میں پہنچتا تھا۔ ایک دوسرے مرید کا سراغ مشہور شاعر و ادیب حمید نسیم سابق ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان کی آپ بیتی ''ناممکن کی جستجو'' کا مطالعہ کرتے ہوئے ملا، ان کے والد بزرگوار چودھری عبدالعزیز اور خود حمید نسیم بھی بخاری صاحب کے بہت بڑے مداح تھے، تیسرے مرید کے متعلق اس طرح معلوم ہوا کہ چند ماہ پہلے پروفیسر ضیاء الحق کے والد محترم وفات پا گئے تو تعزیت کے لیے جانے پر معلوم ہوا کہ مرحوم کا جنازہ مرحوم کی وصیت کے مطابق بخاری صاحب کے داماد پروفیسر وکیل شاہ نے پڑھایا تھا اور مرحوم محکمہ پولیس میں ملازم رہے تھے۔ دوران ملازمت بخاری صاحب کے خطبات سن کر ان کے دلدادہ بن چکے تھے۔ مجلس احرار کے مشہور راہنما چودھری افضل حق بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی تھی۔ پولیس انسپکٹر تھے۔ تحریک خلافت میں بخاری صاحب کی تقریر نوٹ کرنے آئے اور بخاری صاحب کی سچی باتوں سے متاثر ہو گئے۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر بخاری صاحب کے دستِ راست بن گئے۔

میرا خیال ہے کہ مغرب پرستی کے خلاف اور اسلام اور مشرق کی عظمت شناسی کے سلسلہ میں تحقیقی کام میں جتنا اضافہ ہوگا، بخاری صاحب جیسے حریت پسند اور شمع آزادی کے پروانہ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف بڑھ جائے گا۔

© rasailojaraid.com